سورۂ فاتحہ میں اشتراکیت اور سرمایہ داری کے جھگڑے کے استیصال اور دنیا میں امن قائم کرنے کے گُر بتائے گئے ہیں

(فرمودہ 27 مئی 1955ء بمقام زیورچ سوئٹزرلینڈ)

تشہد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

"جمعہ کی نماز سے پہلے چار سنتیں ہوتی ہیں جو امام کے آنے سے پہلے پڑھنی چاہئیں۔ اگر امام آجائے اور خطبہ شروع کر دے تو پھر دو سنتیں ہوتی ہیں اور باقی دو بعد میں پڑھنی چاہییں۔

میں نے پچھلے خطبہ میں بیان کیا تھا کہ مجھے رؤیا میں بتایا گیا کہ سورۂ فاتحہ میں دنیا کے امن اور کمیونزم اور کیپٹلزم کے جھگڑے کے استیصال کے گُر بتائے گئے ہیں۔ اور میں نے سب سے پہلے سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ 1 سے ایک نسخہ بیان کیا تھا اور بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جو الحمد کہا گیا ہے تو وجہ بھی بیان کی ہے کہ وہ رب العالمین ہے۔ جب تک کوئی شخص رب العالمین نہ ہو چاہے اپنی پارٹی کے ساتھ وہ کتنا ہی اچھا سلوک کیوں نہ کرتا ہو وہ اَلْحَمْدُ کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

اَلْحَمْدُ کا مستحق وہی ہوسکتا ہے جو پارٹیوں سے بالا ہو اور ہر قوم اور ملت سے اس کا

سلوک انصاف اور رحم والا ہو۔ اِس سلسلہ میں مَیں نے بتایا تھا کہ رسول کریم ﷺ تو اس صفت کے ظاہر کرنے میں سب سے بالا تھے۔ لیکن آپ پر بھی اعتراض ہوئے۔ لیکن وہ اعتراض اس قسم کے نہیں تھے جو معقول ہوں بلکہ غیر معقول اعتراض تھے جو اپنی ذات میں اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ یہ چسپاں نہیں ہوتے۔ میں آج اس سلسلہ میں ایک مثال بیان کرتا ہوں۔

رسول کریم ﷺ کا سب سے بڑا دشمن ابوسفیان تھا۔ جب آپؐ نے ہرقل کو خط لکھا تو ہرقل بادشاہ نے کہا کہ دیکھو جس شخص نے خط لکھا ہے اُس کی قوم کے کئی لوگ اِس ملک میں ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ ابوسفیان اِن دنوں اپنے قافلہ سمیت تجارت کے لیے آیا ہوا ہے۔ جب اُس کو پتا لگا تو اُس نے ابوسفیان اور اُس کے ساتھیوں کو بلایا اور ابوسفیان کو آگے کھڑا کیا اور اس کے ساتھیوں کو پیچھے اور کہا کہ دیکھو میں بادشاہ ہوں میرے سامنے جھوٹ بولنا بڑا سخت سزا کا مستوجب بنا دیتا ہے۔ میں اس سے سوال کروں گا اگر یہ کسی وقت جھوٹ بولے تو فوراً مجھے بتا دینا کہ جھوٹ بولا ہے۔ ابوسفیان کہتا ہے کہ اُس نے پہلے مجھ سے یہ سوال کیا کہ بتاؤ کہ نبوت کے دعویٰ سے پہلے اس شخص کے اخلاق کیسے تھے؟ تو میں نے کہا کہ بڑے اچھے تھے۔ تو اُس نے کہا میں نے یہ سوال اس لئے کیا تھا کہ نبوت کے دعویٰ کے بعد تو تمہاری دشمنی ہوگئی۔ پس دعویٰ سے پہلے کی گواہی ہی سچی گواہی ہوسکتی ہے۔ بعد کی گواہی تو دشمنی کے ماتحت ہوگی۔ پھر اُس نے پوچھا کہ جب اس نے دعویٰ کیا تو اس دعویٰ کرنے کے بعد تم نے اس کا رویہ کیسا دیکھا؟ کیا اس نے کبھی تم سے جھوٹ بولا؟ تو وہ کہنے لگا کہ نہیں اس کے ساتھ ہمارے کئی معاہدے ہوئے ہیں کبھی اس نے وعدہ شکنی نہیں کی۔ لڑائیوں کے بعد جب بھی معاہدہ ہوا اس نے اُسے پورا کیا[2]۔

تو اَب گویا یہ ایک شدید ترین دشمن کی گواہی ہے جو درحقیقت انعامات کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو شکوہ زیادہ پیدا ہوسکتا ہے۔ اور بہت ممکن تھا کہ وہ اعتراض کرتا بلکہ وہ خود بھی کہتا ہے کہ میرے دل میں خیال آیا کہ میں جھوٹ بول کر اعتراض کروں۔ مگر چونکہ بادشاہ نے میرے پیچھے ساتھی کھڑے کئے ہوئے تھے میں ڈرا کہ اگر میں نے جھوٹ بولا تو انہوں نے بول پڑنا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے[3]۔

اِسی طرح آپ نے ایک دفعہ اموالِ غنیمت تقسیم کئے تو ایک شخص بولا **تِلْکَ قِسْمَةٌ**

مَا اُرِيْدَ بِهَا وَجْهُ اللّٰهِ 4 یعنی یہ ایسی تقسیم تھی جس میں خدا تعالیٰ کی رضا کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔ اب یہ ایک اعتراض ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ تقسیم جس میں خدا تعالیٰ کی رضا کو مدنظر نہ رکھا جائے چند قسم کی ہوسکتی ہے۔ مثلاً ایسی تقسیم کہ اپنے آپ انسان مال کھا جائے۔ یا ایسی تقسیم جس میں رشتہ داروں کو مال دے دے۔ یا ایسی تقسیم کہ جس نے اعتراض کیا ہے اس کا حق مارا جائے۔ تبھی وہ غلط ہوسکتی ہے۔ لیکن اُس نے ایک مثال بھی پیش نہیں کی۔ اَب بکواس کرنے کو تو ہر شخص بکواس کرسکتا ہے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ جب اُس نے کہا کہ مَا اُرِيْدُ بِهَا وَجْهُ اللّٰهِ تو کیا اُس نے کوئی مثال پیش کی کہ میرا حق مجھے نہیں دیا؟ یا کیا اُس نے یہ مثال پیش کی کہ آپ نے اپنا حصہ اتنا نکال لیا جو جائز نہیں تھا یا اپنے رشتہ داروں کو اتنا مال دے دیا جو جائز نہیں تھا؟ کوئی ایک مثال پیش نہیں کی۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے فقرہ نے ہی بتا دیا کہ وہ جھوٹا الزام لگا رہا تھا۔ ورنہ ان تینوں مثالوں میں سے کوئی مثال تو بتا تا جس میں ناجائز سلوک ہوتا ہے۔ یا یہ بتا تا کہ آپ نے مال زیادہ لے لیا یا یہ کہ اپنے رشتہ داروں کو مال دے دیا جس کے وہ مستحق نہیں تھے۔ یا یہ کہ میں مستحق تھا مجھے نہیں دیا۔ تو نہ رشتہ داروں کی مثال پیش کرتا ہے اور نہ اپنی مثال پیش کرتا ہے جس سے ثابت ہو کہ اُس کا اعتراض معقول تھا۔ پس پتا لگا کہ وہ درحقیقت رسول کریم ﷺ کی رب العالمین والی ظلی صفت پر اعتراض نہیں کرتا بلکہ محض اپنی حماقت کا اقرار کرتا ہے۔ تو اِس قسم کے اعتراضات رسول کریم ﷺ کے ظلِ رب العالمین ہونے کو زیادہ ثابت کرتے ہیں۔ اگر واقع میں کوئی غلطی ہوئی تھی تو وہ بتا تا کیوں نہ کہ یہ غلطی ہوئی ہے۔ اُس کا نہ بتانا یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ بھی جانتا تھا کہ آپ رب العالمین ہیں اور میں اعتراض کر ہی نہیں سکتا۔ نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرا حق نہیں دیا کیونکہ جھوٹا بنوں گا۔ نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اپنے رشتہ داروں کو دے دیا ہے۔ نہ یہ کہ حضور نے خود لے لیا۔ کیونکہ لوگ کہیں گے کہ بتاؤ تو سہی کہاں لے لیا۔ گو اس کا اپنا فقرہ ہی یہ بتا تا ہے کہ وہ حضور کو صفتِ رب العالمین کا ظل سمجھا ہے۔ اس لیے اعتراض کا ہونا اِس بات کی علامت نہیں کہ آپ اَلْحَمْدُ کے مستحق نہیں۔ وہ اعتراض اتنا غیر معقول تھا کہ اپنی ذات میں ثابت کر رہا تھا کہ آپ رب العالمین کے ظل ہیں اور اس لیے آپ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے بھی ظل ہیں اور ہر قسم کی

تعریفوں کے مستحق ہیں۔''

(الفضل16/جون 1955ء)

1: الفاتحة:2، 3

2، 3: بخاری کتاب بدء الوحی باب کَیْف کَانَ بدء الوحی اِلیٰ رَسُوْلِ اللّٰہ ﷺ

4: بخاری کتاب فرض الخمس باب ما کَانَ النَّبِیُّ صلی اللّٰہ علیہ وَسلَّمَ یُعْطِی الْمُؤَلَّفَة قُلُوْبھمْ میں یہ الفاظ ہیں" اِنَّ ھٰذِہٖ الْقِسْمَۃَ مَا عُدِلَ فِیْہِ وَ مَا اُرِیْدَ بِھَا وَجْہُ اللّٰہِ۔"